خطبہ جمعۃ المبارک : فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی ﷾ (امیر جمعیت اہل حدیث سندھ)

مورخہ 6 نومبر 2009ء، بمقام: جامع مسجد رحمانیہ بوہرہ پیر، کراچی
مرتب جبران احمد خان ۔ شاہ فیصل کالونی کراچی

چھ فتنوں سے پہلے موت کی تمنا

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ بَادِرُوْا بِالْمَوْتِ سِتًّا ۔ تَمَنُّوْا الْمَوْتَ قَبْلَ سِتٍّ ۔ اِمَارَۃُ السُّفَهَاءِ وَ كَثْرَۃُ الشُّرُطِ وَبَيْعُ الْحُكْمِ وَاسْتِخْفَافٌ بِالدَّمِ وَقَطِيْعَةُ الرَّحِمِ وَنَشْوٌ يَتَّخِذُوْنَ الْقُرْآنَ مَزَامِيْرَ يُقَدِّمُوْنَ لِيُغَنِّيَهُمْ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْهُمْ فِقْهًا ۔ (اخرجه احمد (۳ ـ ۴۹۴، رقم ۱۶۰۸۳) والطبرانی ۱۸ ـ ۳۶، رقم ۶۰) والبخاری فی التاریخ الکبیر(۷ ـ ۸۰) والبیهقی فی شعب الایمان (۲ ـ ۵۴۱، رقم ۲۶۵۴) وعبدالرزاق (۲ ـ ۴۱۸۲) وابن ابی شیبة (۷ ـ ۵۳۰، رقم ۳۷۷۴۶) قال الشیخ شعیب الارناووط ، صحیح ـ قال الشیخ الالبانی: صحیح ـ صحیح الجامع حدیث رقم: ۲۸۱۲ ـ السلسلة الصحیحة ۲ ـ ۷۱۰:رقم ۹۷۹)

خطبہ مسنونہ کے بعد

جب ایسے فتنے عام ہوجائیں جن میں انسان کی زندگی کو اور اس کے دین کو خطرات لاحق ہوں تو پھر بہت زیادہ اس امر کی ضرورت ہے کہ انسان اعتزال اور تنہائی کی زندگی بسر کرے اور وہ اختلاط جو خاص طور پر انسان کے دین کے لیے مضر ہو اس سے بچاؤ کا راستہ اختیار کرے اور ساتھ ساتھ عمل صالح پر توجہ دے۔ کچھ اعمال صالحہ جن کو شریعت نے باوجود ان اعمال کے چھوٹا ہونے کے بہت زیادہ اجر وثواب کا حامل قرار دیا ہے ۔ ذکر اللہ کا منہج اختیار کیا جائے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ: لَايَزَالُ لِسَانُكَ رَطْباً بِذِكْرِ اللهِ . (اخرجه ابن ماجه ۳۷۹۳ والترمذی ۳۳۷۵ وصححه الالبانی) کہ تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ فتنوں سے پناہ طلب کرنی چاہئے کیونکہ بعض فتنوں کی یلغار انسان کے دین پر ہوتی ہے ۔ اور کچھ فتنے ایسے ہیں جن میں ظاہری بڑی کشش ہوتی ہے اور وہ بھی انسان کی گمراہی اور دین سے دوری کا انتظام کرسکتے ہیں۔ اسی لیے پیغمبر علیہ السلام کی بعض احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کچھ فتنے ایسے ہیں جن سے قبل تم موت کی تمنا کرو۔ طبرانی کبیر میں یہ حدیث ہے:

تَمَنُّوْ الْمَوْتَ قَبْلَ سِتٍّ . ۔ (اخرجه احمد:(۳ ـ ۴۹۴، رقم ۱۶۰۸۳)

کہ چھ فتنے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرو کہ اللہ رب العزت ان کے ظہور سے قبل تمہیں اٹھالے ۔ ان چھ فتنوں سے پہلے تم موت کی تمنا کرو۔ کچھ لوگ یہاں پر دو حدیثوں میں تعارض کی بات کرتے ہیں کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے موت کی تمنا کرنے سے روکا ہے۔

لَاتَمَنَّوُا الْمَوْتَ فَاِنَّ هَوْلَ الْمُطَّلَعِ ...شَدِيْدًا ۔(اخرجه احمد ۳ ـ ۳۳۲، رقم ۱۴۶۰۴ وضعفه الالبانی ، وقال الشیخ شعیب الارنوط حسن لغیره وهذا اسناد محتمل للتحسین)

کہ موت کی تمنا مت کرو کیونکہ مرنے کے بعد جو دوسرا جہاں

ہے، جو عالم برزخ ہے اس میں جھانکنے کا منظر ہی بہت ہی سخت، ہیبت ناک اور دردناک ہے۔ لہٰذا موت کی تمنامت کرو۔ اور اس حدیث میں یہ ارشاد گرامی ہے کہ چھ چیزوں کے ظاہر ہونے سے قبل موت کی تمنا کرو۔ یہ کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ ہر حدیث کا اپنی جگہ ایک معنیٰ ہے موت کی تمنا کی جاسکتی ہے اس تناظر میں جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ فتنوں سے قبل جیسے نبی ﷺ کی دعا ہے۔

وَإِذَا اَرَدْتَّ فِي النَّاسِ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْکَ غَيْرَ مَفْتُوْنه

وفي الترمذی وَإِذَا اَرَدْتَّ فِي النَّاسِ فِتْنَةً فِيْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ ((الموطا۵۵۸) اخرجه الترمذی رقم ۳۲۳۵) وقال: حسن صحيح . والطبرانی ۲۰.۱۰۹، رقم ۲۱۶ والحاكم ۱ . ۷۰۲، رقم ۱۹۱۳ واخرجه ايضا :احمد ۵. ۲۴۳، رقم ۲۲۱۶۲ وصححه الالبانی)

کہ یا اللہ جب تو لوگوں میں فتنے مسلط کرنے کا فیصلہ فرمالے تو اس وقت سے پہلے ہی میری روح قبض کرلینا اور مجھے فتنوں سے بچالینا۔ ان فتنوں کے ظہور سے قبل ہی میری موت واقع ہوجائے۔ تو یہاں تمنا کی جاسکتی ہے بعض اوقات موت بڑی افضل ہوتی ہے۔ اس موت کے حصول کی تمنا کی جاسکتی ہے جیسے شہادت کی موت ہے۔ صحابہ کرام میدان جہاد میں جاتے تھے اور شہادت کی موت کی تمنا لے کر جاتے تھے۔ ایسے کئی واقعات ہیں جیسے نبی کریم ﷺ نے جب ذوالبجادین کا جنازہ پڑھایا اور یہ دعا کی اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَمْسَيْتُ رَاضِيًا عَنْهُ فَارْضِ عَنْهُ ۔(مسند البزار: ج۔ ۱ ص: ۲۸۱۔ رقم ۱۷۰۶، مجمع الزوائد ج۹ ص:۲۱۷)

اے اللہ میں تیرے اس بندے سے خوش ہوں، تو بھی اس سے خوش ہوجا۔ میں اس سے راضی ہوں، تو بھی راضی ہوجا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت تمنا کرتے ہیں۔ کہ کاش یہ جنازہ میرا ہوتا۔ تو یہ موت کی تمنا کے محل ہیں۔ ان صورتوں میں موت کی تمنا ہوسکتی ہے جس حدیث میں موت کی تمنا سے روکا گیا، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی تکلیف کی بناء پر کسی مرض کی بناء پر، فقر و فاقہ کی بناء پر، موت کی تمنا مت کرو۔ اگر بیماری طول پکڑ گئی تو اس کا علاج ہے، اس پر صبر اللہ کی طرف تضرع کا راستہ اختیار کرو، موت کی تمنا مت کرو کیونکہ ہوسکتا ہے مرنے کے بعد جو برزخ کا جہاں ہے وہ اس سے سخت ہو۔ اور جو دن تمہیں زندگی کے مل جاتے ہیں ان میں توبہ کا امکان موجود ہے، عمل صالح کا امکان موجود ہے۔ موت سے تو عمل ختم ہوجاتے ہیں اور جب جان حلق میں اٹک جاتی ہے تو توبہ کا سلسلہ موقوف ہوجاتا ہے، تو موت کی تمنا سے اپنی زندگی کا خاتمہ کرواکے ہوسکتا ہے کہ اگلے جہان میں سختیاں ہوں، شدتیں ہوں، اللہ کا عذاب ہو اور اگر زندگی کے دن باقی ہیں تو ان میں توبہ کا، استغفار کا، اللہ کے ذکر کا اور دین کی طرف رجوع کا امکان ہوتا ہے۔ تو جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے موت کی تمنا سے روکا، اس کا اپنا معنیٰ ہے اور جہاں موت کی تمنا کا حکم ہے وہاں اپنا معنیٰ ہے۔ تو دونوں محل مختلف ہیں اور یہ تعارض نہیں ہے، تناقض نہیں ہے۔ یہ صرف ان لوگوں کے فہم کی غلطی ہے جن کے دماغ جو وہ مفتون ہوتے ہیں، مشبوہ ہوتے ہیں۔ انکار حدیث کے جراثیم، تو وہ اس قسم کے اعتراضات اور اشکالات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ورنہ قرآن پاک میں بھی ظاہری طور پر کئی مقامات پر تعارض موجود ہے لیکن حقیقت میں تعارض نہیں ہے غلطی فہم کی ہے۔ جیسے اللہ پاک نے ایک مقام پر فرمایا کہ:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْض (البقرة:۲۵۳)

یہ رسولوں کی جماعت ہے، انبیاء کی جماعت، ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے، بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ (البقرة:۲۸۵)

ہم رسولوں میں فرق نہیں کرتے، رسولوں میں ہم تفریق نہیں کرتے، تو ایک مقام پر تفریق ہے اور بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور ایک مقام پر تفریق نہ کرنے کا ذکر ہے۔ ظاہرا یہ تعارض ہے لیکن تعارض نہیں ہے۔ ہر مقام کا ایک اپنا معنیٰ ہے جہاں یہ بات بیان ہوئی کہ ہم تفریق نہیں کرتے وہاں مراد یہ ہے کہ اصل رسالت میں سب اللہ کے رسول ہیں۔ رسول ہونے میں، اللہ کا نمائندہ

ہونے میں سب برابر ہیں۔ آگے چل کہ فرق ہوسکتا ہے کسی کو اللہ رب العزت نے شرف ہم کلامی دیا جیسے موسیٰ علیہ السلام اور کسی کو اللہ رب العزت نے اپنا خلیل اللہ کہہ دیا جیسے ابراہیم علیہ السلام اور کسی کو اللہ تعالیٰ نے دونوں لقب دے دیئے خلیل اللہ اور حبیب، جیسے محمد رسول اللہ ﷺ یہ جو فرق ہے فضیلت کا اور اس میں تفاوت ہے یہ بعد کا فرق ہے لیکن اصل رسالت میں سب برابر ہیں۔ رسول ہونے میں کوئی فرق نہیں سب پر ایمان لانا برابر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانا بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا فرض ہے۔

موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، صالح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، سب پر ایمان لانا یکساں فرض ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں۔ سب اللہ کے رسول ہیں۔ اصل رسالت میں کوئی تفریق نہیں لیکن اللہ رب العزت نے بعد میں اپنی مشیت سے جس کو جو چاہا مقام دیدیا۔ نبی علیہ السلام کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میں اٹھوں گا لیکن میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے کھڑے ہیں۔ اللہ کے عرش کا ایک پایا پکڑ کر اسے تھامے ہوئے کھڑے ہیں، مجھ سے بھی پہلے۔ فرمایا کہ:

فَلاَ اَدْرِیْ اَفَاقَ قَبْلِیْ اَمْ جُوْزِیَ مِنْ صَعْقَةِ الطُّوْرِ (صحیح البخاری حدیث: ۳۲۱۷)۔

مجھے معلوم نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کی جو ان کو بے ہوشی تھی اس کے بدلے آج کی بے ہوشی سے بچالیا ہو اور ان کی بے ہوشی کیا ہی نہ ہو تو یہ ایک فرق ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ:

اَوَّلُ مَنْ یُکْسٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ (صحیح البخاری حدیث: ۳۱۷۱)

قیامت کے دن سب برہنہ آئیں گے اور سب سے پہلے جنت کا لباس ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا جائے گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے مقام شفاعت ہے، مقام محمود ہے، آپ قائد انبیاء ہوں گے، خطیب الانبیاء ہوں گے، امام الانبیاء ہوں گے، دنیا میں بھی آپ کو انبیاء کی امامت کا شرف عطا فرمایا گیا۔ یہ وہ درجات ہیں جو اللہ پاک عطا فرماتا ہے۔ اس میں فرق ہے تفاضل ہے اور بعض کو بعض پر فوقیت ہے لیکن جہاں یہ ذکر کہ ہم فرق نہیں کرتے رسولوں میں وہاں مراد اصل رسالت ہے۔ رسول ہونے میں سب برابر ہیں، سب پر ایمان لانا فرض ہے ایمان لانے میں کوئی تفاوت نہیں کوئی فرق نہیں ہے۔ تو اب دیکھیں کوئی تعارض نہیں ہے لیکن بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے اور یہ اشکالات وہ لوگ کھڑے کرتے ہیں جن کی عقلیں جن کے دل مریض ہوتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں، بے چارے مسکین ہوتے ہیں اور ترس کھائے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔ تو دین تعارض سے پاک ہے:

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء: ۸۲)

اگر یہ دین قرآن وحدیث اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو بڑا تناقض ہوتا، بڑا اختلاف ہوتا۔ لوگ جو دستور بناتے ہیں، ان میں بڑا تناقض ہوتا ہے اور پھر اس دستور کو بحال رکھنے کے لیے ان کو تشریحات کرنی پڑتی ہیں اور مختلف تعبیریں کرنی پڑتی ہیں اور بعض اوقات ایک فل اسٹاپ پر، ایک کومے پر عبارتوں کے مفہوم تبدیل ہوجاتے ہیں لیکن خالق کائنات کا پیغام ہر اختلاف سے اور ہر تعارض سے پاک ہے۔ تو یہاں بھی کوئی اشکال اور کوئی تعارض نہیں ہے تو فرمایا کہ:

تَمَنَّوُا الْمَوْتَ قَبْلَ سِتٍّ اخرجه احمد (۳۔ ۴۹۴، رقم ۱۶۰۸۳) والطبرانی ۱۸۔ ۳۶، رقم ۶۰) والبخاری فی التاریخ الکبیر (۷۔ ۸۰) والبیهقی فی شعب الایمان (۲۔ ۵۴۱، رقم ۲۲۵۴)

کہ چھ خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کے ظہور سے قبل تم موت کی تمنا کرو اللہ سے دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ وہ خصائل ہمیں نہ دکھائے اور اگر وہ وقت آجائے اور وہ خصائل ہمیں دیکھنی پڑجائیں تو پھر اللہ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے اور جو ان کے فتنے

ہیں ان سے محفوظ رکھے، ان میں ملوث ہونے سے محفوظ رکھے اور ان سے ہم کو دور رکھے۔ وہ چھ خصائل کونسی ہیں، فرمایا:

(۱) اَمَارَۃُ السُّفَھَاءِ:۔ بیوقوف قسم کے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوجائیں گے اور بڑے بڑے عہدے اور منصب انہیں تفویض کردیئے جائیں گے حالانکہ جو ان کا خلیفہ ہے، دین کے تعلق سے بالکل زیرو اور کوئی ان کا اچھا اور بڑا مقام نہیں ہوتا لیکن وہ بڑے بڑے عہدوں تک رسائی حاصل کرلیتے ہیں۔ تو یہ چیز شر ہی شر ہے ایسے لوگ اور ان کے فتنے عام ہوتے ہیں اور بچنا انتہائی مشکل ہوتا ہے اور ایسا ہوکر رہے گا رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

لَاتَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَکُوْنَ اَسْعَدُالنَّاسِ بِالدُّنْیَالُکَعُ ابْنُ لُکَعٍ (ترمذی، رقم: ۲۲۰۹، صححہ الالبانی، مسند احمد ۳۸۹.۵، رقم ۲۳۳۵۱)

اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک یہ وقت نہ آجائے کہ اس دنیا میں سب سے بڑے عہدے پر وہ شخص فائز ہوجائے جو خود بھی کمینہ ہو اور اس کا باپ بھی کمینہ ہو۔ کمینہ بن کمینہ۔ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ یہ منظر نہ دیکھ لیں۔ تو ایسے لوگوں کا بڑے عہدوں پر فائز ہوجانا قوموں کے لیے بربادی ہوتی ہے۔ فتنے ہوتے ہیں مہالک ہوتے ہیں اور مستقل وہ اذیت میں رہتے ہیں، نفسیاتی اذیتیں، ظاہری اذیتیں، اور ان کا شر کسی نہ کسی طریقے سے لوگوں تک پہنچتا رہتا ہے تو اس وقت کے ظہور سے قبل تم موت کی تمنا کرو، اور اگر یہ وقت آجائے تو پھر صبر استقامت دین کے ساتھ چمٹے رہنا، اعتزال اور تنہائی کی زندگی، بہت زیادہ اختلاط سے گریز، دعائیں، اپنی اصلاح، اپنے متعلقین کی اصلاح اس پر بھرپور توجہ مرکوز کرنی چاہیئے۔

(۲) کَثْرَۃُ الشُّرُطِ:۔ جب پولیس زیادہ ہوجائے اور پولیس کی تعداد بڑھ جائے تو یہ بھی ایک فتنہ ہے۔ زیادہ پولیس کی ضرورت کب پڑتی ہے، جب امن عامہ، دگرگوں ہوجائے، ہر طرف شر ہو، فتنے ہوں، اس کی سرکوبی کی ضرورت ہو، چوریاں ہوں، ڈکیتیاں ہوں، قتل وغارت گری ہو، زنا ہو، مختلف مفاسد ہوں، رشوت خوری ہو، تو پھر ان امور پر قابو پانے کے لیے زیادہ بندوں کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ اس قسم کے بندے سرکاری اعتبار سے 'شرط' یا پولیس کے لقب سے ملقب ہوتے ہیں۔ جب یہ وقت آجائے کہ بہت زیادہ پولیس کی ضرورت ہو تو یہ وقت بھی، یہ دور بھی فتنوں کا دور ہوتا ہے۔ اور آج تو معاملہ ایسا ہے کہ سرکاری پولیس کے علاوہ بھی ہر شخص اپنے لیے علیحدہ گارڈ رکھنے پر مجبور ہے اپنی حفاظت کے لیے، اپنے مال کی حفاظت کے لیے اور اپنی عزت کی حفاظت کے لیے، گھروں کے چوکیدار، محلوں کے چوکیدار اور کاروباری مراکز کے گارڈ رکھنے پر مجبور ہیں اور یہ کثرت ''شرط'' ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ بہت ہی بدامنی ہے اور کوئی ایسا پروگرام نہیں جو سلامتی پر منتج ہو، فتنے ہیں، فسادات ہیں، مہالک ہیں، تو جہاں زیادہ پولیس کی حاجت ہو وہاں اس امر کی غمازی ہوتی ہے کہ حالات مستعد نہیں، پر سکون نہیں ہیں بلکہ فتن ہیں تو پھر ان فتنوں سے پناہ ہی طلب کرنی چاہیے۔ تو کثرت ''شـــرط'' یہ بھی ایک معاملہ ہے، اس سے قبل ہمارے اسلاف کے دور میں پولیس کے محکمے کا نام ونشان تک نہیں ہوتا تھا، وقت کا حاکم تنہا جارہا تنہا آرہا ہے۔ آج تو معاملہ ایسا بن چکا کہ ایک حاکم، ایک صدر جب حرکت کرتا ہے تو اس کے ساتھ تقریباً دس ہزار پولیس حرکت میں آجاتی ہے، اتنی بڑی تعداد۔ تو یہ علامات قیامت میں سے ہے۔ اور بڑے فتنے کی غماز ہے۔ سلف صالحین کے دور میں ایسا نہیں تھا اور پولیس کے محکمے کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ آج یہ چیز موجود ہے اور بڑھتی جائے گی بڑھتی جائے گی ۔ تو یہ چیز فتنوں کی غماز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کثرت ''شـرط'' سے قبل تم موت کی تمنا کرو اور ایسا دور اگر پالو تو پھر وہ ساری ہدایتیں جو فتنوں کے دور میں ضروری ہیں، جو شریعت نے دی ہیں انہیں اپناؤ، ان پر عمل کرو، تاکہ تمہیں دین مال اور عزت کی سلامتی حاصل ہو اور تم فتنوں سے محفوظ رہ سکو۔ اور فتنوں سے اپنا بچاؤ اختیار کرسکو۔

تیسری چیز قَطِیْعَۃُ الرَّحِمِ: ''رشتوں کا کاٹنا'' آپس کی

ناراضگیاں، رنجشیں اور جو ایک معاشرت ہے، صلح رحمی کے جو راستے اور طرق ہیں انہیں پامال کرنا ایک آدمی دوسرے کو قتل تک کردیتا ہے۔ حتیٰ کہ باپ بیٹوں کو، بیٹاماں کو، باپ کو، بھتیجا اپنے چچا کو، چچااپنے بھتیجے کو، جو آئے دن خبریں آتی ہیں کہ قتل تک نوبت پہنچ چکی ہے۔ اس قدر "قَطِیْعَةُ الرَّحِم" کا معاملہ عام ہوچکا ہے اور یہ معاملہ خطرناک ہے کیونکہ رشتہ قیامت کے دن آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے رشتہ کو عربی میں جو نام دیا ہے وہ رحم ہے "ر، ح، م۔ حدیث میں آتا ہے کہ "شَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِی (ترمذی ۱۸۷۲، مسند احمد ۱۶۸۳ صححه الالبانی فی السلسلة الصحیحة ۲. ۳۶رقم ۵۲۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نام رحمٰن سے 'رحمٰن' کو پھاڑ کے 'رحم' کا لفظ بنایا ہے۔ 'رحم' کا لفظ اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات رحمٰن ورحیم سے نکالا ہے۔ ان دو صفات کو پھاڑ کے۔ ان لفظوں کو پھاڑ کے 'رحم' کا لفظ بنایا ہے جس کے معنی رشتہ داری ہے۔ اور قیامت کے دن یہ آئے گا اور اللہ رب العزت کے 'حقو' کو تھام لے گا۔ 'حقو' جسم کا ایک پہلو جہاں عام طور پر ازار باندھتے ہیں، اس مقام کو حقو کہتے ہیں، تو 'رحم' 'رشتہ' اللہ کے 'حقو' کو تھام لے گا اور کہے گا کہ یارب!

" صِلْ مَنْ وَصَلَنِیْ وَاقْطَعْ مَنْ قَطَعَنِیْ "(اخرجه البخاری ۴۸۳۰، ۴۸۳۱، ۴۸۳۲، ۵۹۸۷، ۷۵۰۲، بــاخـتـلاف الالفاظ)

(جس نے مجھے دنیا میں جوڑا اسے تو اپنے ساتھ جوڑ لے، جس نے مجھے توڑا اسے تو بھی توڑدے۔ یہ معاملہ جب پیش ہوگا اللہ کے سامنے تو اللہ رب العزت ان لوگوں کو جوڑ دے گا جن لوگوں نے دنیا میں رشتوں کا اہتمام کیا، نبھایا۔ ان لوگوں کو توڑ دے گا جنہوں نے رشتوں کو توڑا الا یہ کہ توڑنے کے شرعی اسباب نہ ہوں۔ بعض اوقات دین اور دین کے بہت سے تقاضے رشتوں کو توڑنے کا باعث بن جاتے ہیں تو وہ چیز ممدوح ہے، قابل تعریف ہے۔ وہ معیوب نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

"مَنْ اَحَبَّ فِیْ اللهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدْ اِسْتَكْمَلَ الْاِیْمَانَ "(ابوداؤد ۴۶۸۳، صححه الالبانی، الصحیحة ۳۸۰)

جو اللہ کے لیے محبت کرے اور اللہ کے لیے ناراضگی پیدا کرلے۔ اللہ کے لیے دے اور اللہ کے لیے روک لے۔ اس نے ایمان پورا کرلیا اور ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

" اَوْثَقُ عُرَى الْاِیْمَانِ اَلْمُوَالَاةُ فِی اللهِ وَالْمُعَادَاةُ فِی اللهِ "(اخرجه الطبرانی ۱۱. ۲۱۵، رقم: ۱۱۵۳۷. والبیهقی فی شعب الایمان (۷. ۷۰، رقم ۹۵۱۳. حسنه الالبانی).

ایمان کا سب سے مضبوط کنڈا یہ ہے کہ محبت بھی اللہ کے لیے ہو اور ناراضگی، نفرت بھی اللہ کے لیے ہو۔ رشتہ توڑنے کا کوئی شرعی سبب نہ ہو، بلاوجہ ہو، دنیاوی اسباب ہوں تو پھر یہ رشتہ اللہ کے "حقو" کو تھام کر اللہ تعالیٰ سے یہ استدعا کرے گا کہ یااللہ جنہوں نے مجھ کو توڑا۔ اسے تو بھی توڑدے اور جنہوں نے مجھ کو جوڑا اسے تو جوڑلے تو قاطع الرحم، بھی اس سرزمین پر بڑے فساد کا موجب ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت کے آنے سے قبل تم موت کی تمنا کرو اور اگر یہ وقت پالو تو تم اس میں ملوث ہونے سے بچو، کیونکہ یہ فتنہ ہے۔ اس ہلاکت سے تم اپنے آپ کو بچاؤ۔

(۴) اور چوتھی چیز فرمایا کہ "بَیْعُ الْحُكْمِ" حکم کو بیچنا، انصاف کو بیچنا۔ ایک قاضی یا ایک جج اگر رشوت خور ہو اور اپنے فیصلوں کو بیچے اور فروخت کرے اور لوگوں سے پیسے لے کر فیصلے کرے اور یہ سارا نظام جس میں وکالت اور پھر قضاء، جج اور وکیل اور جو ان کے متعلقین ہیں سب کے سب راشی بن جائیں، رشوت خور بن جائیں تو اس وقت کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کرو۔ کہ یااللہ ہمیں موت دے دے۔ ایسے ججوں کا ہمیں منہ نہ دیکھنا پڑے۔ ایسے وکیلوں سے ہمیں سابقہ نہ پڑے جو سچ کو جھوٹ کرنے کے لیے جھوٹ کو سچ کرنے کے لیے لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور وہ جج جو انصاف کو فروخت کرتے ہیں اور فیصلوں کو بیچتے ہیں، ان کی شکلیں دیکھنے سے پہلے ہمیں موت دیدے

اور اگر یہ وقت آجائے تو ان لوگوں کی جو تباہ کاریاں ہیں اور جو ان کے مہالک ہیں اور جو ان کی نحوستیں ہیں ان سے ہمیں محفوظ رکھ ـ، بچا کر رکھ۔ ان لوگوں کا شر ہر گھر میں داخل ہے اور ان لوگوں کی نحوستیں، تقریباً ہر شخص کو نقصان پہنچا رہی ہیں اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں ۔تو "بَیْـــــعُ الْـحُـکْـمِ" یہ معاملہ جب آجائے تو اللہ تعالیٰ سے موت کی تمنا کرو۔ یہ شر ایک متعدی شر ہے جس سے بچاؤ انتہائی مشکل ہے۔ تنازعات ، معاملات ہر انسان کو لاحق ہیں کسی کو خانگی امور لاحق ہیں کسی کو تجارتی ، کسی کو معاشرتی ، کسی کو معاشی اور کہیں نہ کہیں کوئی تنازعہ ہوجاتا ہے تو ان حالات میں سامنا کرنا پڑتا ہے ان لوگوں کا اور یہ لوگ بڑے ہی بے رحم اور ظالم ہوتے ہیں ، جو لوگوں کا مال اس طرح لوٹتے ہیں اور اپنے بیٹوں میں جہنم کی آگ بھرتے ہیں۔ اللہ پاک نے روکا ہے کہ تم لوگوں کا مال ناحق مت کھاؤ ۔ اس طرح اگر کھاؤ گے تو اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ ڈال رہے ہو لیکن انہیں کوئی اللہ کا خوف نہیں ہے۔ تو جب یہ مرحلہ آجائے کہ لوگ فیصلے کو بیچیں ، انصاف کو بیچیں ، کسی کی سفارش کرنے کے لیے رشوت طلب کریں، ایک دستخط کرنے کے لیے پیسہ طلب کریں تو اس وقت سے پہلے تم موت کی تمنا کرو ۔ ایسے لوگوں کے شر سے بچنا انتہائی مشکل ہوتا ہے، تو ان فتنوں اور ان کی تباہ کاریوں سے بچاؤ کی اللہ پاک سے دعائیں کرو۔

اور پانچویں چیز "اِسْتِـخْـفَـاف بِـالدَّمِ" جب انسانی خون سستا ہوجائے اور خون ارزاں ہوجائے۔ انسانی خون بڑا محترم ہے اور اس خون کی بڑی قیمت ہے انسان کی ہیبت وحرمت بہت زیادہ ہے:

" اِنَّ دِمَائَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا، فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا وَفِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا (صحیح البخاری ۱۷۴۱، ومسلم: ۱۶۷۹)

رسول اللہ ﷺ نے انسان کی جان کو محترم قرار دیا ہے ۔ فرمایا کہ یہ جان اتنی ہی محترم ہے جیسے مکہ محترم ہے، جیسے یہ مقام محترم ہے، جیسے یہ مہینہ ذوالحجہ محترم ہے، اتنا انسان کا خون محترم ہے ۔ یہ تو بڑا ہی قیمتی ہے۔ نبی ﷺ کی حدیث ہے ایک مسلمان کے قتل میں پوری دنیا شریک ہو، کوئی سازش کررہا ہے کوئی پیسہ دے رہا ہے، کوئی پروگرام میں شریک ہے اور کوئی عملی طور پر قتل کررہا ہے ، حملہ آور ہورہا ہے، اس طرح پوری دنیا کی شراکت اگر ایک شخص کے قتل میں شامل ہو اللہ تعالیٰ اس ایک شخص کو جنت میں داخل کرے گا اور پوری دنیا کو جہنم میں ڈال دے گا بلکہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی قاتل کو آنکھ کے اشارے سے بچانے کی کوشش کرے وہ بھی جہنمی ہے، تو انسانی خون بڑا ہی محترم ہے ۔جب یہ خون ہلکا ہوجائے اور انسان کی جان بے قیمت ہوجائے اس وقت کے آنے سے قبل تم موت کی تمنا کرو بلکہ قتل وغارت گری تو قیامت کی علامات قریبہ میں سے ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب قتل وغارت گری کی کیفیت یہ ہو کہ قاتل کو معلوم نہ ہو کہ وہ کس کس کو قتل کررہا ہے اور کیوں قتل کررہا ہے اور مقتول کو معلوم نہ ہو کہ وہ کیوں قتل ہورہا ہے ، میرا گناہ کیا ہے قصور کیا ہے، مجھے قتل کرنے والا کون ہے ۔ جب یہ اندھا فتنہ عام ہوجائے تو :

"فَانْتَـظِـرُوْ الـدَّجَـالَ اِمَّـا الْیَوْمَ وَاِمَّاالْغَد"(ابوداؤد کتاب الفتن بـاب ذکـر الفتن ودلائلها رقم: ۴۲۲۴وصححه الالبانی فی السلسلة الصحیحة . رقم: ۹۷۴)

تو پھر تم دجال کا انتظار کرنا وہ آج بھی آسکتا ہے اور کل بھی آسکتا ہے اور دجال جو ہے ، اس کا ظہور یہ قیامت کی علامات قریبہ میں سے ہے اتنا بڑا فتنہ ہے ۔تو " اِسْتِـخْـفَـافُ بِالدَّمِ "، جب انسانی خون سستا ہوجائے ہلکا ہوجائے ، بے قیمت ہوجائے ، اتنی بے توقیری ہو انسان کی جان کی، تو اس وقت کے آنے سے پہلے تم موت کی تمنا کرو اور اگر یہ وقت تم دیکھ لو تو ایسے ہر اقدام سے گریز کرو جس کا راستہ انسانی خون کے "استخفاف کی طرف چلتا ہے اور اپنے آپ کو ان فتنوں میں ملوث ہونے سے بچاؤ ، یہ بہت ہی تباہ کن فتنہ ہے اور ایک انسان قیامت کے دن اپنی ساری نیکیوں سے محروم ہوسکتا ہے۔ وہ شخص جو کسی اپنے بھائی کو

تکلیف ہی پہنچادے، اپنی زبان سے، اپنے ہاتھ سے۔ قتل کرنا تو ایک انتہائی سنگدلی ہے اور سب سے بڑا جرم ہے۔ غیبت کرے، چغلی کردے، گالی دے دے، اس پہ لعنت برسائے یا ایک تھپڑ ماردے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علی رؤس الخلائق کھڑا کر دے گا۔ انسان کی نیکیاں اگر بچی ہوئی ہوں گی، تو کھڑا کردے گا اور وہاں نیکیوں اور گناہوں کی تقسیم سے اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تو "استخفاف بالدم" بہت بڑی ہلاکت ہے، اس وقت کے آنے سے پہلے تم موت کی تمنا کرو اور اگر یہ وقت مل جائے تو پھر تم شرعی جو ہدایات ہیں ان کو اپناؤ، ان پر عمل کروتا کہ تمہارا دین تمہاراایمان اور تمہارا عقیدہ محفوظ رہ سکے۔

اور چھٹی چیز یہ ہے "نَشْءٌ یَتَّخِذُوْنَ الْقُرْآنَ مَزَامِیْرَ" ایک وقت آنے والا ہے کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کو مزامیر بنالیں گے۔ مزامیر کا معنی گانے کی چیز، اس قرآن کو گا گا کر پڑھنا ان کا مشن ہوگا اور لوگ "یُقَدِّمُوْنَ الرَّجُلَ" لوگ ایک شخص کو آگے بڑھائیں گے، اس کو مقام دیں گے، اس کو عزت دیں گے، اس کو کھڑا کریں گے، اس کو ترجیح وفوقیت دیں گے کہ تم بیان کرو، تم وعظ کرو، اور تم تقریر کرو "لَیْسَ بِأَفْقَهِهِمْ" حالانکہ وہ عالم نہیں ہوگا یا بڑا عالم نہیں ہوگا، "لٰکِنْ یُغَنِّیْھِمْ غِنَاءً" لیکن وہ گا گا کر لوگوں کو مسحور کرے گا، تو یہ وقت آنے سے پہلے تم موت کی تمنا کرو کیونکہ جب ایسے لوگوں کے ہاتھ میں منبر ومحراب کی وراثت آئے گی تو عالم تو وہ ہوں گے نہیں تو پھر وہ ایسی ایسی باتیں بیان کریں گے جن کا دین سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور لوگ ویسے ہی ان کے سحر میں مبتلا ہوں گے اور ان کی باتوں کو مانیں گے تو یہ فساد کبیر کا باعث ہونگے تو فرمایا کہ ایسے لوگ جب پیدا ہوجائیں جو قرآن کو محض مزامیر بنالیں اور گانے پر اکتفا کریں راگ ورنگ ان کا منہج ہو اور ان کا مشن ہو اور لوگ سن سن کر مسحور ہوں تو فرمایا جب لوگ ان کو آگے کریں ان کو ترجیح اور تقدیم دیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ عالم ہیں بلکہ اسلئے کہ "یُغَنِّیْھِمْ غِنَاءً" وہ گا گا کر پڑھتے ہیں اور سناتے ہیں اور لوگ اس میں مست ہیں تو کہ یہ ایک بڑا فتنہ ہے، اس کی یلغار انسان کے دین پر ہوسکتی ہے اور ایسے لوگ ایسے ایسے مسائل بیان کریں گے۔ موضوعات کا سہارا اور باطل اور جھوٹے قصوں کا سہارا، شرکیہ باتیں اور بدعت سے لبریز امور تو پھر یہ لوگوں کی گمراہی کا باعث بن جائیں گے۔ قصیدے اور مختلف نعتیہ اشعار، شرک سے بھرے ہوئے۔ بس گانا ان کا منہج ہوگا اور لوگ اس گانے میں اس کے سحر میں مبتلا ہوں گے جیسے پیغمبر علیہ السلام کی حدیث ہے کہ "اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا" (صحیح البخاری: ۵۷۶۷، ۵۱۴۶) کچھ بیان جادو ہوتے ہیں۔ یہ کوئی تعریف نہیں ہے۔ بلکہ جادو کفر ہے اور جادو شر ہے اور کچھ بیان ان میں جادو ہوتا ہے۔ یعنی لوگ اس بیان کے سحر میں اس کے جادو میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور یہ کوئی تعریف نہیں ہے بلکہ یہ معرض عیب میں ہے۔ ایسے بیان کے شر سے اللہ بچائے کہ وہ جادو، ان میں جادو کی تاثیر ہوتی ہے بلکہ جادوگر کا عمل شخص واحد پر ہوتا ہے۔ جادوگر کے جادو کے عمل سے ایک شخص متاثر ہوتا ہے جس پر جادو کیا جارہا ہے اور ایسے بیان کرنے والے کے سحر سے لاکھوں لوگ مبتلا ہوسکتے ہیں، اور وہ اس کے شر میں مبتلا ہوسکتے ہیں وہ ایک ہی بات ایسی بیان کردے جو شرعی اعتبار سے غلط ہو، اللہ کی وحی سے متناقض ہو لوگ اس کو پکڑ لیں، اس کو اپنالیں، اس پر عمل شروع ہوجائے اور آج تو یہ فتنہ اتنی تیزی سے پھیل رہا ہے کہ میڈیا کے ذریعے پیغام لمحات میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے اور یہ سحر دنیا میں اس طریقے سے پھیل رہا ہے جس کی یلغار انسان کی ذات پر نہیں بلکہ انسان کے دین پر ہوتی ہے۔ اسی لیے پیارے پیغمبر ﷺ نے علامات قیامت میں یہ بات بیان فرمائی ہے۔ "یُرْفَعُ الْعِلْمُ" کہ علم اٹھالیا جائے گا "وَیَفْشُوْ الْجَھْلُ" (صحیح البخاری: ۸۰، ۸۱، ۵۲۳۱، ۵۵۷۷، ۶۸۰۸)

اور جہالت پھیل جائے گی اور فرمایا کہ علم اللہ اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ علم کو لوگوں کے سینوں سے محو کردے بلکہ اس طرح اٹھائے گا کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھالے گا۔ علماء یکے بعد دیگرے

اٹھتے جائیں گے اور موت کی وادی میں پہنچ جائیں گے اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ جہال کو اپنا مفتی اعظم بنالیں گے۔ ان کے فتوے چلیں گے اور بے علم وہ لوگ ہوں گے اور عدم علم کی بناء پر فتوے دیں گے خود بھی گمراہ اور لوگوں کو بھی گمراہ کردیں گے اور یہ وقت بہت بڑے فتنے کا باعث ہے اور یہ موت ہے انسانوں کی انسانوں کے دین کی، عقیدے کی، منہج کی، اور ان کے عمل کی، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب ایسے لوگ پیدا ہوں جو قرآن کو صرف راگ و رنگ کی کتاب بنالیں جیسے آج کل حسن قرأت کی محفلیں ہوتی ہیں، ہونا چاہیئے، اچھا پڑھنا چاہیئے، پیغمبر ﷺ کی حدیث بھی ہے کہ قرآن جو غنیٰ کے ساتھ نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ لیکن اسی پر اکتفاء کرنا غلط ہے، قرآن صرف پڑھنے کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس کو سمجھنا، اس کا فہم اور قرآن کے بعد احادیث کو پڑھنا تاکہ پیغام رحمٰن کو سمجھ سکیں اور صرف پڑھنے پر، حسن قرأت پر اکتفاء نہیں دیں گے صرف قرأت کی طرف اور مختلف قراء کی نقالی ان کے لہجے کو اپنانا اور اس طرح محافل قائم ہوں گے، ان میں دنیا شریک ہوگی اور بس پڑھنا اور سننا، اس پر اکتفاء کرلیں گے اور فہم کی طرف توجہ نہیں ہوگی حالانکہ قرآن کا جو سب سے اہم تقاضا ہے وہ فہم ہے، اس کی تنفیذ ہے، اس پر عمل کرنا ہے اور باقی باتیں بالتبع ہیں لیکن اولیت اس بات کو ہونی چاہیئے تو فرمایا کہ جب ایسے لوگ پیدا ہوں جو قرآن کو راگ رنگ کی کتاب بنالیں اور ان کا منہج ہوگا نا اور راگ رنگ سے کام لینا اور لوگ ان کو آگے کریں، ترجیح دیں حالانکہ وہ "اَفْقَہ" نہیں ہوں گے، عالم نہیں ہوں گے لیکن "یُغَنِّیھِمْ غِنَاءً" (صحیح البخاری: ۷۵۲۷) وہ گا گا کر پڑھیں گے گا گا کر سنائیں گے اور لوگ اسی میں مست ہوجائیں گے اور اس طرح ایک سحر ان کا قائم ہوجائے گا تو یہ چیز چونکہ براہ راست انسان کے دین کو بگاڑ سکتی ہے جسکو پیارے پیغمبر ﷺ نے فتنہ قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ اس فتنے کے ظہور سے قبل تم موت کی تمنا کرو۔ اور اگر یہ وقت تم پالو تو پھر تم ایسے فتنوں میں ملوث ہونے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ علم کے نام پر تمہیں جہل مل جائے اور توحید کے نام پر تمہیں شرک مل جائے اور سنت کے نام پر تمہیں بدعت مل جائے اور یہ چیز مہلک ہوسکتی ہے اور بربادی کا باعث ہوسکتی ہے۔ ایک واعظ کو ہم نے سنا جو بڑے ایک دلچسپ انداز سے توبہ کے مضمون پر گفتگو کررہا تھا اور بات چلتے چلتے یہاں تک پہنچ گئی کہ اللہ تعالیٰ نصف رات کے بعد یا دو ثلث رات کے بعد آسمان اول پہ نزول فرماتا ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک پکارتا ہے۔ "هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ" کہ ہے کوئی بخشش کا طالب؟ تو بیان کرتے کرتے وہ یہاں تک کہہ گئے کہ ایک بندہ رات کو اٹھے وضو کرے، توبہ کرے استغفار کرے اور کہے کہ یا اللہ میں توبہ کرنے کے لیے اپنا بستر چھوڑ کر آگیا ہوں تو اللہ فرماتا ہے کہ میں تجھے معاف کرنے کے لئے ہیں اپنا عرش چھوڑ کر آگیا ہوں اور ایک بدعقیدگی دل میں داخل ہوگئی کہ اللہ کے نزول سے اللہ کا عرش خالی ہو جاتا ہے۔ یہ انتہائی گمراہ کن عقیدہ بن جاتا ہے، اللہ اس سے پاک ہے سبحان اللہ تو اس طرح فرمایا کہ جب ایک "اَفْقَہ" شخص کو تم موقع دینے کی بجائے ایسے شخص کو دو گے جس کے تم راگ وڈھنگ سے متاثر ہو تو یہ علامات قیامت میں سے ہے۔ اس وقت سے قبل تم موت کی تمنا کرو۔ تو کچھ فتنے ایسے جن کی یلغار انسان کے دین پر ہے، کچھ کی یلغار انسان کے منہج پر ہے، کچھ کی یلغار انسان کی ذات اور اس کے جسم پر ہے، اور یہ ساری چیزیں آخرت کی تیاری میں حائل ہوسکتی ہیں اور دنیوی اعتبار سے انسان کے لیے نقصان دہ ہوسکتی ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان فتنوں کی تباہ کاری واضح کرنے کے لیے یہ انداز اختیار فرمایا کہ ان کے ظہور سے قبل تم موت کی تمنا کرو تاکہ لوگ اپنے آپ کو اس قسم کے فتنوں سے بچا کر رکھیں اور سب سے بڑا علاج جو ہے فتنوں سے بچاؤ کا وہ یہ ہے کہ اپنے دور کے کسی ایسے شخص کا انتخاب کرلو جو واقعتاً اللہ کی شریعت کا علم رکھنے والا ہو اور منہج کی معرفت رکھنے والا ہو۔ فتنوں کے دور میں ہمارے بچاؤ کا جو سب سے قوی سہارا ہے اللہ کی ذات کے بعد وہ علماء ربانیین ہیں جن کے دلوں میں خشیت ہو، جن کا اللہ کے ساتھ تعلق ہو اور

اللہ کی وحی کے ساتھ تعلق ہو، جن کا منہج قرآن وحدیث ہو اور اس کے فہم سے مالا مال ہوں۔ ہر دور میں جب بھی فتنہ بپا ہوا کوئی نہ کوئی مرجع شخصیت موجود رہی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتدین کا فتنہ اور مانعین زکوٰۃ کا فتنہ جس کی لپیٹ میں تقریباً سارے صحابہ آگئے۔ مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اکیلے استقامت کا مظاہرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ بقیہ صحابہ کے سینوں کو کھول دیا۔ حتیٰ کہ عمر جیسا انسان تلوار نیام سے باہر نکال کر کھڑا ہوگیا، اگر کسی نے کہا کہ اللہ کے پیغمبر فوت ہوگئے اس کی شہہ رگ کاٹ دوں گا۔ ابوبکر صدیق نے قرآن کی آیتیں پڑھیں اور کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ تم ان آیتوں کو نہیں کو جانتے۔

"اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ" (الزمر: ۳۰)

عمر ان باتوں کو سنو اللہ فرما رہا ہے کہ اے پیغمبر آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ سارے لوگ فوت ہونے والے ہیں، اس موت میں کوئی فرق نہیں سب پر آنے والی ہے، عمر فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مجھے ایسا محسوس ہو رہی تھیں کہ ابھی اتر رہی ہیں۔ ابھی نازل ہو رہی ہیں۔ تو ایک مرجع شخصیت موجود تھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں نے یہاں پر کہہ دیا کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ اگرچہ وفات پاچکے لیکن دوبارہ زندہ ہوکر آئیں گے اور کچھ امور آپ نے دوبارہ انجام دینے ہیں، کچھ کام ابھی باقی ہیں وہ آپ نے کرنے ہیں وہ کام کرکے آپ دوبارہ فوت ہوں گے۔ اس موقع پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی استقامت کام آئی آپ نے پیغمبر علیہ السلام کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ:

"وَاللّٰہِ لَا یَجْمَعُ اللّٰہُ عَلَیْکَ مَوْتَتَیْنِ" (صحیح البخاری: ۳۴۵۳، ۴۴۵۳)

اللہ کی قسم اللہ آپ پر دو موتیں اکٹھی نہیں کرے گا، ایک موت جو آنی تھی وہ آچکی، اس میں تردید تھی ان لوگوں کی جن کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ دوبارہ آئیں گے۔ ایک تو وہ فوت ہوچکے، پھر آئیں گے، پھر فوت ہوں گے۔ یہ دو موتیں اللہ کے پیغمبر ﷺ پر نہیں آئیں گی۔ آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ واللہ، اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں اکٹھی نہیں کرے گا۔ ایک موت جو آنی تھی وہ آچکی اور آپ نے فرمایا کہ:

"اَیُّھَا النَّاسُ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مِنْکُمْ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ" (البخاری: ۱۲۴۲، ۳۶۶۸، ۴۴۵۴)

تم میں سے جو شخص یہ ارادہ رکھتا ہو کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ کی عبادت کرے گا تو دیکھ لے اللہ کے پیغمبر ﷺ فوت ہوچکے، آپ کی میت سامنے موجود ہے، دیکھ لے آکر، اللہ کے پیغمبر ﷺ فوت ہوچکے اور معبود وہ ہوتا ہے جو حَیٌّ لَا یَمُوْتُ ہوتا ہے۔ جو ایسا زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آتی جو ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ جو زندگی عطا فرماتا ہے اور زندگیاں چھینتا ہے اور موت مسلط کرتا ہے۔ اللہ کی ذات وہ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ ہے اور وہی معبود ہے۔ اگر کوئی اللہ کے پیغمبر ﷺ کی عبادت کرتا تھا

یا کرتا ہے یا آئندہ کرے گا تو وہ دیکھ لے اللہ کے پیغمبر ﷺ فوت ہوچکے اور جس پر موت آجائے وہ قطعاً معبود نہیں ہوسکتا۔ تو اللہ کی توفیق سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت ایک مرجع کے طور پر سامنے آئے جو سب سے بڑے عالم تھے۔ سب سے بڑے عالم تھے اور سب سے بڑی معرفت اور منہج کی پہچان کے حامل تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ جیسے انسان نے اعتراف کیا کہ کاش میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینے کا ایک بال ہوتا تاکہ جو شعور اللہ نے آپ کو دیا جو منہج کی معرفت اللہ نے آپ کو دی اس میں میرا بھی حصہ ہوتا۔ امام مالک کے دور میں فتنہ بپا ہوا اور سارے اس کی میں لپیٹ آگئے۔ جبری طلاق کا فتنہ، علماء نے سائن کردیئے، درباری ملاؤں سے سائن لینا کونسا مشکل کام ہے چنانچہ سب نے سائن کردیئے، اکیلے امام مالک ڈٹ گئے اور اس فتنے کے خلاف جہاد کیا، عملی طور پر اور اللہ تعالیٰ نے اس استقامت کا رنگ دکھایا۔ ورنہ پتہ نہیں آج لوگوں کا منہج کیا ہوتا اس تعلق سے۔ علی بن مدینی کے مطابق امام مالک کا پوری امت پر احسان ہے۔ امام احمد بن حنبل کے دور میں

خلق قرآن کا فتنہ پیدا ہوا تو مرجع شخصیت کے طور پر امام اہل السنۃ امام احمد بن حنبل سامنے آئے۔ اور اس فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، دلائل کے ساتھ، بدزبانی کے ساتھ نہیں، تین چار بادشاہ سزا دیتے دیتے مرگئے مگر وہ استقامت پر قائم رہے اور استقامت ان کا منہج تھا۔ مگر حکام کے ساتھ کسی قسم کی بدتمیزی نہیں کی، برسرعام ان پر تنقید نہیں کی بلکہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول تھا، وہ امیر المومنین جو ان کو کوڑے مارتے تھے۔ کہ:

لَوْ كَانَ لِيْ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ لَجَعَلْتُهُ لِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(مجموع الفتاویٰ لشیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۸۔ ۳۹۱)

اگر اللہ تعالیٰ مجھے ایک دعا کا اختیار دے دے کہ تم ایک دعا کرلو میں ضرور قبول کروں تو میں وہ دعا خود نہیں کروں گا، اس دعا کا حق امیر المومنین کو دے دوں گا جو ان کی پشت پر کوڑے مارہا ہے جو اختلافی ایک مسئلہ تھا، وہ برحق ہے۔ اس پہ ان کی استقامت بالکل واضح ہے لیکن باقی امور میں ان کی سمع واطاعت اور فتنہ کھڑا نہ کرنا اور علم بغاوت بلند نہ کرنا بلکہ امت میں جو ایک ستون کا منہج ہے اس کو قائم رکھنا، امام احمد بن حنبل کا اور سلف صالحین کا وطیرہ تھا۔ امام مالک کا چہرہ سیاہ کیا گیا ان کو گدھے پر سوار کیا گیا اور پورے شہر کے مدینہ منورہ کا گشت کرایا گیا اور چکر لگائے گئے۔ پورا شہر ان کے پیچھے ہے کہ یہ کیا ماجرا ہے یہ گدھے پر کون سوار ہے جب ایک چوک آ گیا بڑا جہاں پر پوری دنیا جمع تھی۔ امام مالک کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ:

مَنْ عَرَفَنِيْ فَقَدْ عَرَفَنِيْ وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنِيْ فَاَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ الْاَشْجَعِيُّ الْاَنْصَارِيُّ (حلیۃ الاولیاء ج۶ ص: ۳۱۶، سیر اعلام النبلاء: ج۸: ص:۹۶)

جس نے مجھے پہچان لیا وہ تو پہچانتا ہے کہ میں مالک بن انس ہوں اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں مالک ہوں، مسجد نبوی میں درس حدیث دینے والا، میں وہ مالک ہوں،

وَاَنَا اَقُوْلُ طَلَاقُ الْمُكْرَهِ لَيْسَ بِشَيْئٍ.

میرا منہج اور مسلک یہ ہے کہ زبردستی کی طلاق واقع نہیں ہوتی جبری طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اتنی سی بات کہی حالانکہ دنیا جمع تھی۔ موقع تھا کہ وقت کے حاکم کے خلاف زبان کھول دیتے، خوب بول سکتے تھے اور لوگوں کی ان کے حامی ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد تھی، لوگوں کو برانگیختہ کرسکتے تھے، ابھار سکتے تھے لیکن اس قسم کی بدامنی پیدا کرنا، عمومی مظاہر میں حکام پر تنقیدیں کرنا، یہ سلف صالحین کا موقف نہیں ہے، وہ اس سے محفوظ تھے۔ مسلک حق بیان کردیا کہ میرا مسلک یہ ہے کہ جبری طلاق نہیں ہوتی، اس پر مجھے یہ سزائیں دی جارہی ہیں، اگر مجھے منوانا ہے اور میری گردن جھکانی ہے تو اِيْتُوْنِيْ بِشَيْئٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ، میرے سامنے قرآن کی دلیل پیش کردو یا اللہ کے پیغمبر ﷺ کی حدیث پیش کردو بس بات ختم ہوجائے گی۔ تو یہ منہج سلف صالحین۔ معنیٰ جب بھی فتنہ پھوٹا کوئی نہ کوئی مرجع شخصیت موجود ہے جس نے اس مرجع شخصیت سے رابطہ قائم کرلیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو فتنہ سے بچالیا۔ تو علم نافع یہ ایک نعمت کبریٰ ہے ہر دور کے فتنوں سے بچاؤ کے لیے، اس کی طلب ہونی چاہیے۔ علماء سے رابطہ ہونا چاہیے۔ ان پر ناحق تنقیدیں نہیں کرنی چاہئیں، ان کی غیبتیں، ان پر الزام تراشیاں، اس سے گریز کرنی چاہیے، ان کی غیبتوں سے ان کی ذات کو نقصان نہیں ہوتا، ان کے منہج کو نقصان ہوتا ہے۔ یہ ان کا ذاتی نقصان نہیں ہے بلکہ دین کا نقصان ہے۔ وہ اللہ کے دین کے داعی ہیں، ان کی دعوت کا معاملہ ہلکا پڑجائے گا، کمزور پڑجائے گا۔ ان کی بات بے قیمت ہوجائے گی، تو یہ محاذ آرائی ان کی ذات کے ساتھ نہیں بلکہ دین کے ساتھ ہے۔ منہج کو سمجھئے۔ اللہ پاک مجھے اور آپ کو توفیق عطا فرمادے۔ اللہ تعالیٰ فتنے کا ادراک ہمیں عطا فرمادے، اس سے بچاؤ کی توفیق عطا فرمادے اور وہ سارے اسباب جو فتنوں سے بچاؤ کے لیے شریعت نے مقرر کئے ہیں، اللہ پاک وہ ہمیں عطا فرمادے۔

اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُاللهَ لِيْ وَلَكُمْ . وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ